© rasailojaraid.com

جناب مولانا عزیز زبیدی منڈی واربرٹن

الاستفتاء

منگووال غربی سے جناب طالب حسین طالب بی۔ اے لکھتے ہیں:

سمن آباد سے شائع شدہ ایک رسالہ "بلاغ القرآن" نظروں سے گذرا۔ اس میں جہلم کے ایک حافظ صاحب کا مراسلہ شائع ہوا ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ولادتِ مسیح بے باپ نہیں ہے بلکہ ان کی ولادت اللہ تعالیٰ کے قانون "یاایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ" کے مطابق باقاعدہ مونث اور مذکر کے باہمی اختلاط کا نتیجہ ہے۔ نیز یہ کہ حضرت مریم باقاعدہ منکوحہ تھیں اور ان کے کفیل حضرت زکریا علیہ السلام نے باقاعدہ ان کی شادی کی تھی۔ براہِ کرم مسئلہ ولادتِ مسیح از روئے قرآن و حدیث شائع فرمادیں۔ نیز دلائل دیتے وقت مندرجہ ذیل آیاتِ مبارکہ کو پیشِ نظر رکھیں:

یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثیٰ

لا تبدیل لکلمتہ

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ و ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔

طالب حسین طالب، محمد یونس ناز

منگووال غربی ضلع گجرات

الجواب: حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اسی طرح بے باپ پیدا کیا جس طرح حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا فرمایا، عیسائی حضورؐ سے جھگڑتے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے بیٹے ہیں ورنہ بتائیے کہ آپ کا باپ کون ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

"اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ" (یونس)

کہ "اللہ کے ہاں جیسے آدم ویسے عیسیٰ کہ مٹی سے آدمؑ (کے پتلے) کو بنا کر کہا بن جا، اور وہ بن گیا"

یعنی تمہاں تعجب ہے کہ وہ بے باپ کیسے ہو گیا، حضرت آدمؑ کے باپ میں نہیں سوچتے کہ وہ تو باپ اور ماں دونوں نہیں رکھتے۔ اگر بے باپ ہونا خدا ہونے کی دلیل ہے تو حضرت آدمؑ کو تو بطریق اولیٰ خدا ہونا چاہیئے تھا" (ابن کثیر)

اوپر والی آیت اس امر پر واضح دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ نہیں تھے یعنی مذکر و مؤنث کے اختلاط کا نتیجہ نہ تھے۔ بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرح کلمۂ "کن" سے پیدا ہوئے تھے۔ اور اسی لیے ان کا نام بھی "کلمۃ اللہ" پڑ گیا۔

"اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ" (النساء ع ۲۳)

کہ "مسیح عیسیٰ بن مریم تو بس اللہ کے ایک رسول ہی ہیں اور اس کا کلمہ!"

یعنی وہ کسی انسان کے نطفے کی پیداوار نہیں ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو حضرت عیسیٰؑ کی بشارت دی تو وہ بولیں:

"قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ" (آل عمران ع ۵)

کہ "اے میرے رب، میرے لڑکا کس طرح ہو گا درآنحالیکہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا!"

اس پر رب نے یہ نہیں فرمایا کہ اب آپ کا نکاح کر دیں گے تو ہو جائیگا، بلکہ فرمایا کہ وہ اس طرح بھی پیدا کرتا ہے:

"قَالَ کَذٰلِکِ اللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ" (النساء ع ۵)

کہ "ارشاد ہوا، اللہ ایسے ہی پیدا کر دیتا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے"

کیونکہ وہ ان طریقوں کا پابند نہیں ہے جو تمہارے سامنے ہیں یا تمہیں معلوم ہیں بلکہ:

"اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ" (النساء ع ۵)

جب وہ کسی امر کے کرنے کا تہیا کر لیتا ہے تو بس اسے فرما دیتا ہے کہ "ہو جا! اور وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو جاتا ہے!"

سورۂ مریم میں بات اور واضح ہو گئی ہے کہ "وہ پردہ کر کے الگ جگہ جا کر تشریف فرما ہوئیں تو اللہ کا فرشتہ انسانی شکل و صورت میں سامنے آکھڑا ہوا، بولیں کہ اگر ایک انسان ہو تو میں تجھے رب کا واسطہ دیتی ہوں، فرشتے نے کہا کہ "اسی طرح تیرے رب کا فرمان ہے کہ میرے لئے یہ معمولی بات ہے، ہم اسے اپنی قدرت کی نشانی بنانا چاہتے ہیں:

"إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ الآية" (مریم ع ۲)

ترجمہ: "جب وہ (مریمؑ) اپنے لوگوں سے الگ ہو کر پورب رُخ ایک جگہ جا بیٹھیں اور لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا تو ہم نے اپنی روح (روح القدس جبرائیلؑ) کو ان کی طرف بھیجا تو وہ اچھے خاصے آدمی کی شکل بن کر ان کے روبرو آکھڑے ہوئے (ان کو دیکھ کر) وہ بولیں کہ اگر تم متقی ہو تو میں تم کو رحمان کا واسطہ دیتی ہوں، وہ (جبرائیل امینؑ) بولے کہ میں بس تمہارے رب کا فرستادہ (فرشتہ ایلچی) ہوں تاکہ تم کو پاک طینت لڑکا دوں، وہ بولیں میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ مجھے نہ کسی بشر نے چھوا اور نہ میں بازاری عورت رہی۔ وہ (فرشتہ) بولے: تیرے رب نے اسی طرح کہا ہے کہ یہ میرے لئے معمولی بات ہے، غرض یہ ہے کہ میں اسے لوگوں کیلئے (اپنی قدرت کی) نشانی بناؤں۔"

تمثل کے معنے ہوتے ہیں، بناوٹی شکل بنانا۔ بہرحال جبرائیلؑ تشریف لائے اور انسانی لباس میں، وہ دیکھ کر گھبرا گئیں۔ اب آپ غور فرمائیے کہ حضرت عیسیٰؑ اگر باپ کا نتیجہ تھے، تو اللہ تعالیٰ کا انہیں اپنی نشانی قرار دینے کے کیا معنی؟ کیا دنیا میں اس قسم کی اور نشانیاں تھوڑی تھیں؟ پھر اسے ایک معمولی بات یعنی عام معمول کی بات کہا تو اسے بالخصوص "عَلَيَّ هَيِّنٌ" (یہ میرے لئے آسان ہے) کہنے کے کیا معنی؟ کیا حضرت عیسیٰؑ کی بات تو آسان تھی مگر معمول کے مطابق (مثلاً) معترض کی تخلیق رب کیلئے مشکل تھی؟ آخر اسے بالخصوص "آسان" کہنے کے کیا معنی؟ آخر یہی کہنا پڑے گا کہ بغیر باپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے تخلیق کی بات تھی جسے بہر حال دنیا ناممکن تصور کرتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جو بات تمہارے لئے ناممکن ہے، وہی میرے لئے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہو گئی تو حضرت مریمؑ رو رو کر ہلکان ہوئیں اور بولیں کہ کاش اس سے پہلے مرگئی ہوتی یا میرا نام نشان ہی نہ باقی رہتا:

"قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ○ (مریم ع ۲)

"وہ بولیں، کاش میں اس سے پہلی ہی مرگئی ہوتی اور بھولی بسری ہو گئی ہوتی!

کیا وہ عورت ایسا ہی کیا کرتی ہے جس کے گھر میں "چاند سا" لڑکا پیدا ہو اور پھر اس پر وہ خوش ہونے کی بجائے ماتم کرے؟

اور کہیں نہیں آپ ہی خدا کو حاضر ناظر کر کے بتائیں! کیا آپ کے ہاں ایسا ہوتا ہے؟ اصل بات یہی تھی کہ بے باپ ولادت ہوئی تھی اور محض حق تعالیٰ کی قدرت سے، لیکن معترض دوستوں کی طرح اس وقت بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں تھی جو اس کو قدرت کا کرشمہ قرار دینے کے بجائے الٹا اسے ناجائز بچہ (العیاذ باللہ!) کی پھبتی کسنے لگ گئے تھے اس لیے غیرت اور بدنامی کے احساس سے وہ بولیں کہ کاش! میں بچہ جلنے کے بجائے مرگئی ہوتی۔

کچھ دوستوں نے یہ تاویل پیش کی ہے کہ دراصل یہ ساری سرزنش بچہ کی بے باپ پیدائش پر نہیں تھی بلکہ صرف اس لیے تھی کہ اس نے رہ و رسم خانقاہی کے دستور کے برعکس متاہلانہ زندگی اختیار کر لی تھی۔ مگر قرآن و حدیث میں اس تاویل کے لئے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ ویسے بھی تجرد کی زندگی ان کے نزدیک نیکی سہی لیکن متاہلانہ زندگی "بدکاری" نہیں تصور کی جاتی تھی۔ ہاں اگر کوئی یوں کہتا کہ بہ ظاہر تو خانقاہی زندگی تھی مگر در پردہ کچھ اور بات تھی تو شاید کچھ گنجائش نکل آتی۔ لیکن افسوس! بقول قائلین کہ خانقاہی زندگی ترک کی اور نکاح کیا، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب شور کیوں نہ برپا ہوا؟ لیکن جب بچہ لے کر آئی تو ان کو خانقاہی زندگی کا صدمہ جاگ اٹھا؟ خانقاہیت تو نکاح ہونے مجروح ہو گئی تھی، اس وقت تو نہ بولے، جب بچہ ہو گیا تو قیامت برپا ہو گئی، اس میں کیا تک ہے؟ —— لہٰذا یہ تاویل بالکل غلط ہے!

بہر حال اس پر قوم کے لوگ ملامت کرنے کو دوڑے کہ تو نے بڑے غضب کی حرکت کی! نہ تیرا باپ برا نہ ماں بدکار، پر تو یہ بچہ کہاں سے لائی؟

"يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ○ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مَا کَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۔ (مریم ۲۶)

ترجمہ: "وہ کہنے لگے کہ اے مریم تو نے بہت برا کام کیا، اے ہارون کی بہن، نہ تیرا باپ برا تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی!

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جن کے ہاں لڑکا ہوتا ہے، کیا برادری مبارک دینے کو آتی ہے یا لعنت ملامت کرنے کو؟ ذرا اپنے ہاں کا دستور بتلائیے گا!

دریافت طلب بات یہ ہے کہ اگر حضرت مریمؑ کا شوہر تھا جو حضرت عیسیٰؑ کے باپ بنے تو قوم کو کیا سانپ سونگھ گیا تھا کہ وہ حضرت مریمؑ کو ملامت کرنے کو اٹھ دوڑے تھے؟ کیا وہ پاگل ہو گئے تھے؟ یہ بات بھی نہیں کہ دور کے لوگ ہیں یا صحیح صورتِ حال سے بے خبر تھے کیونکہ وہ برادری کے آدمی تھے۔ کیا برادری سے کوئی بات چھپی ہوتی ہے؟ ——— اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معمول کے مطابق حمل کا کورس بھی پورا نہیں ہوا تھا۔ ورنہ عین موقع پر بولنے کے بجائے حمل کے دوران ہی شور برپا ہو جاتا۔ آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ باہر ہی حمل ہوا اور پھر باہر ہی باہر اس کی وضع ہوئی۔ ظاہر ہے کہ یہ بات معجزانہ تھی، عام متداول طبعی قوانین کی نہیں تھی۔ کیونکہ آیت میں آتا ہے کہ:

"فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۔" (مریم ع ۲)

پھر اسے حمل قرار پا گیا اور وہ اسے لئے ہوئے کہیں دور جگہ چلی گئیں"

اس کے بعد دردِ زہ اور ولادت کا بیان ہے اور پھر:

"فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۔" (مریم ۲۶)

"وہ انہیں اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں"

اس تذکار سے مترشح ہوتا ہے کہ جس طرح طبعی قوانین سے بالاتر حمل قرار پایا، اسی طرح طبعی ضابطوں سے بالاتر اس کی تکمیل اور وضع ہوئی، کیونکہ حمل کے بعد وہ دور چلی گئی تھیں ظاہر ہے یہ دس ماہ کیلئے نہیں تھا۔ پھر آتا ہے کہ وضع کے بعد اسے اٹھا کر اپنی قوم کے پاس آئیں (یا باہر باہر وقوعہ پیش آیا — فَانْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا (النساء ۲۶) — اور پھر حمل قرار پاتے ہی دور ہی دور چلی گئیں — مَكَانًا قَصِيًّا (النساء ۲۶) — اور وہاں ہی بچہ ہوا — اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ (النساء ع) — اور پھر وہاں سے ہی قوم کے پاس آئیں — فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ) یہ سب باتیں اس امر کی غماز ہیں کہ نہ حمل طبعی قوانین کا نتیجہ تھا، نہ اس کا کورس، ادھر حمل ہوا، ادھر وضع حمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تیاری!

قرآن کہتا ہے کہ عصمت محفوظ رہی تھی صرف "نفخ روح" ہوئی تھی:

"فَاَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا" (پ۱۷)

"چنانچہ یہ وہ تھی جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی، پس ہم نے نفخِ رُوح کیا"

یہ "نفخِ روح" والی بات کو آپ کس خانے میں فٹ کریں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ عام طبعی قوانین سے الگ کوئی معاملہ تھا ورنہ بالخصوص اس بات کو ذکر کرنے کے کیا معنی؟ — اگر شوہر والی بات کو تسلیم کر لیا جائے تو تمام تمہید غلط ہو کر رہ جائے گی — یہی بات حفاظتِ عصمت کے سلسلہ میں بھی کہی جا سکتی ہے کہ اگر شوہر والی تھیں تو یہ صفائی پیش کرنے کی کیا ضرورت پڑ گئی؟ یہ صرف اس لئے کہا گیا کہ شوہر والی بھی نہ تھیں مگر بچہ پیدا ہوا، اور کسی غلط حرکت کی مرتکب بھی نہ ہوئیں کہ باعصمت تھیں — ان تمام کڑیوں کو ملایئے، بات وہیں جا ٹھہرے گی جو ہم کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن باپ کے پیدائش ہیں، آپ کی بات کا تو کوئی سر پیر ہی نہیں — ذرا ان الفاظ کو دوبارہ غور سے پڑھیے:

"اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ"

اور:

"قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ"

دراصل یہ معترض دوست وہ طبقہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے بارے میں یہ یقین رکھتے ہیں کہ "یہ عجمی سازش کی پیداوار ہیں، اس لئے ان پر کسی نظریہ کی بنیاد قائم کرنا جائز نہیں ہے" مگر آپ یہ بات دیکھ کر حیران ہوں گے کہ ان کے جتنے مفروضات ہیں، ان کے لئے اساس بائیبل سے مہیا کرتے ہیں۔ وہ بائیبل جس کا حال یہ ہے کہ اسے ایمان اور نظریات کا ماخذ تصور کرتے ہوئے شرم آتی ہے — غور کیجئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے "یوسف نجار" نامی والد کی دریافت بائیبل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر پیش کر رہے ہیں، وہی بات ہوئی کہ "گھر سے بیر اور غیر جان جان ہے"۔ افسوس یہ بے حمیتی کیوں — ! بہرحال ہم آپ کو ایک مسلمان کی حیثیت سے ایک دو حدیثیں بھی اسی سلسلے کی سنائے دیتے ہیں تاکہ بات مکمل ہو جائے:

شاہ نجاشی کے نام رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مکتوبِ گرامی بھیجا تھا، اس میں یہ بھی تھا کہ "میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کا ویسے ہی کلمہ اور روح ہیں جیسے حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام!

"اشهد ان عیسٰی بن مریم روح الله وکلمته القاها الٰی مریم البتول الطیبة الحصینة فحملت بعیسٰی فخلقه الله من روحه ونفخه کما خلق آدم بیده"

(السیرۃ الحلبیۃ للامام الحلبی ص ۲۷۹/۳)

شاہ نجاشی کے استفسار پر مہاجر صحابہؓ نے بھی اسی نظریہ کا اظہار کیا تھا:

"نقول کما قال الله عز وجل روح الله وکلمته القاها الٰی مریم العذراء البتول" (ایضاً ص ۳۶۹/۱)

نفخ و کلمہ!

نفخ اور کلمہ سے مراد خدا کا امر ہے، وہ معنے نہیں ہیں جو عام لئے جاتے ہیں۔

آیات کی تشریح

انا خلقنا کم من ذکر وانثٰی:

یہ ایک عام طبعی قوانین کا ذکر ہے، لیکن حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ولادت بغیر طبعی کرشمہ کی ایک عظیم بات ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت آدمؑ باوجودیکہ وہ انسان تھے، لیکن وہاں تو باپ کے ساتھ ماں کا سہارا بھی غائب ہے ——— اصل میں معجزات خرق عادت کی باتیں ہوتی ہیں۔ اور یہ نظام قدرت کا ایک الگ نظام ہے جو ان طبعی قوانین سے بالاتر شاہی "مشیت" پر مبنی ہے۔ اسلئے اس نظام کو، جو ہم سے مخفی ہے، اس مشہود نظام پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ دونوں کے اثرات الگ الگ ہیں۔

لاتبدیل لکلمٰت الله:

یہ آیت اللہ کے دوستوں کے بارے میں آئی ہے۔

پہلے یہ ذکر ہے کہ ان کو قیامت میں خوف اور اندوہ کا سامنا نہیں ہوگا بلکہ دنیا اور آخرت میں ان کے لئے بشارت ہے۔ اس کے بعد فرمایا: لاتبدیل لکلمٰت الله (یونس ع) (اللہ کی باتیں تبدیل نہیں ہوتیں) یعنی اللہ نے جو اعلان اور وعدہ فرمایا ہے، اٹل ہے۔ اللہ تعالٰی اپنا وعدہ بدلا نہیں کرتے: "ان الله لایخلف المیعاد" ——— اس کو بہرحال اس مضمون سے کوئی تعلق نہیں، یہ بات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا کے وعدہ کی ہے، معترض کے طبعی ضابطہ کی نہیں ہے۔ جس کے لئے احباب اتنی لمبی چوڑی کھینچا تانی فرما رہے ہیں وہ ایک لا حاصل تکلف ہے، علمی اور ہوش کی بات نہیں ہے۔

فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ:

یہ آیت سورۂ روم نمبر ۳۰ (پارہ ۲۱) کی ہے۔ اس میں حکم ہوتا ہے کہ:

"سب طرف سے رخ موڑ کر دینِ حق کی طرف اپنا رخ سیدھا کر رکھئے۔ یہ وہ فطرۃ اللہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے سب کو پیدا کیا ہے:

"فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ط فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا" (روم ۴۲)

کہ "ایک خدا کے ہو کر اس کے دین کی طرف اپنا رخ کئے رہو، یہ خدائی فطرت ہے جس پر سب لوگوں کو پیدا فرمایا ہے"

دراصل ہمارے کرمفرما بات نہیں سمجھے، یہ کتاب طبعیات کی کتاب نہیں ہے کہ اس میں طبعی امور کا ذکر ہوگا بلکہ یہ روحانیات کی کتاب ہے جس میں روحانی فطرت کا بیان ہوتا ہے ___ دیکھئے! خدا فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو سب سے حسین پیدا فرمایا ہے:

"اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ" (التین پ ۳۰)

تو کیا معروف معنوں میں انسان واقعی ایسا ہے! کیا ان میں اندھے، اپاہج، کوڑھی اور بدصورت نہیں ہوتے۔ کیا آپ اس سے یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ خدا کا قانون اب ٹوٹ گیا ہے!

بہرحال قرآنِ مجید روحانیات کی کتاب ہے اور روحانیات کی اپنی ایک فطرت ہے جو طبعی فطرت سے ارفع اور اس سے مختلف ہوتی ہے۔ یہاں بھی وہی روحانی فطرت مراد ہے۔ یعنی اسلام اور معرفتِ الٰہی، ملاحظہ ہو بخاری شریف تفسیر سورۃ الروم:

"باب قوله لا تبديل لخلق الله لدين الله .... الفطرة الاسلام"

یعنی اللہ تعالیٰ نے معرفتِ الٰہی (اسلام) کا داعیہ ہر انسان کے خمیر میں داخل کیا ہے۔ خدا کا یہ دستور کبھی تبدیل نہیں ہوتا کہ کسی میں یہ استعداد رکھے اور کسی میں نہ رکھے۔ ایسا نہیں ہوتا۔

حکم ہوا تھا کہ دینِ حق پر اپنی توجہ مرکوز رکھو۔ کیونکہ یہ وہ فطری داعیہ ہے جو ہر مرد کی گھٹی میں داخل ہے جسے قرآن نے دوسری جگہ یوں بیان فرمایا ہے:

"وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا" الآیۃ (پ ۹، اعراف ۲۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی "(ان کو وہ وقت یاد دلائیے کہ) جب آپ کے رب نے اولادِ آدم یعنی انکی پیٹھوں سے ان کی نسلوں کو باہر نکالا اور ان کو اپنے اوپر گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو وہ بولے، کیوں نہیں ہم گواہ ہیں!"

یہ سارا مکالمہ اسی فطری استعداد کا غماز ہے کہ ایک ماورا ہستی کا احساس ہر دل میں ہے، سدا ہے اور سدا رہے گا، ہاں خارجی عوامل سے اگر کوئی مسخ کرلے تو اور بات ہے۔ حدیث میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

"ہر بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے بعد میں اسے کوئی یہودی بنا لیتا ہے کوئی عیسائی"

"ما من مولود إلا يولد على الفطرة فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه"

الحدیث (بخاری باب مذکور)

گویا کہ خدا کی طرف دھیان ایک فطری امر ہے، اگر خارجی رکاوٹیں حائل نہ ہوں تو انسان ہمیشہ حق پر ہی قائم رہے۔ بس اسے فطرۃ اللہ کہا گیا ہے۔

امام بیضاوی فطرت کے معنے لکھتے ہیں:

"وهي قبولهم للحق وتمكنهم من ادراكه" (بیضاوی روم ط $\frac{29}{2}$)

اسی قسم کی باتیں تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں بھی ہیں۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم!

© rasailojaraid.com